جناب محمد حفیظ اللہ پھلواروی

آلِ سامان کے عہد میں علمی ترقیاں

(۲۶۱ تا ۳۸۹ھ ——— ۸۷۴ تا ۹۹۹ء)

سامانی حکومت ۲۶۱ہجری مطابق ۸۷۴عیسوی میں ماوراءالنہر میں قائم ہوئی۔ آلِ سامان کی حکومت خراسان، سیستان، بلخ، سمرقند اور کاشغر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ان کا دارالسلطنت بخارا تھا۔ اس عہد میں بخارا کے علاوہ سمرقند بھی علوم وفنون اور فضل و کمال کے لیے تمام عالم اسلامی کا مرکز بن گیا تھا۔ ان دونوں شہروں میں بہت سے علما و فضلا، شعرا اور مصنفین جمع ہو گئے تھے خصوصاً بخارا تو علمی گہوارہ تھا۔

اس عہد کے بخارا کی علمی و ادبی عظمت کے بارے میں ثعالبی نے "یتیمۃ الدھر" میں لکھا ہے کہ "سامانی خاندان کے عہدِ حکومت میں بخارا بزرگی کا گہوارہ، ملک کا مرکز، منتخب روزگار لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ، روئے زمین کے ادبا کا مرجع اور فضلائے دہر کا مخزن تھا۔"

اسی طرح بشاری مقدسی سامانیوں کی علم نوازی و علما پروری کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"سامانی حکمرانوں کا دستور ہے کہ وہ علما کو زمین بوسی کی تکلیف نہیں دیتے۔ ماہِ رمضان کی جمعراتوں کو بعد نماز عشا مجالسِ مناظرہ اپنے سامنے قائم کرتے ہیں۔ پہلے بادشاہ کوئی مسئلہ فت دیا کرتا ہے، پھر علما اس پر بحث کرتے ہیں۔ بخارا میں سب سے بلند مقام فقیہہ کو حاصل ہے۔ اس کے مشورہ سے عمال مقرر کیے جاتے ہیں اور اس کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔"

(احسن التقاسیم ص ۳۳۸)

وسط ایشیا میں اس وقت جو حکومتیں قائم تھیں، ان سب کے حکمران عموماً صاحبِ علم وفن اور علوم وفنون کے مربی اور سرپرست تھے۔ ان حکومتوں میں سامانی حکمرانوں نے اپنے دورِ حکومت میں فارسی زبان کو ترقی دینے میں بڑی کوشش کی۔ اسلامی تسخیر کے بعد ایران کی علمی زبان عربی ہو گئی تھیں۔ لیکن ملوکِ سامانیہ نے عربی کے ساتھ فارسی کو رواج دیا۔

اور اس طرح فارسی ادب کو بڑا فروغ ہوا۔

شعرائے سامانیہ کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے لیکن نظامی عروضی سمرقندی وغیرہ نے جن لوگوں کے نام خصوصیت سے لیے ہیں وہ یہ ہیں۔

ابوالعباس مروزی، ابوالمثل، ابواسحاق جوئباری، ابوالحسن، چناری نیشاپوری، ابوالحسن کسائی، شیخ بلخی، ابوالمؤید، عبداللہ فرالادی، رودکی، دقیقی، ابوذر، معمر جرجانی، ابوالمظفر، نصر بن محمد نیشاپوری، عمارہ مروزی، طخاری، مرادی۔

اس دور کی یہ خصوصیت یادگار ہے کہ شعروشاعری کا مذاق عورتوں میں بھی پھیل گیا تھا۔ رابعہ فرداری بلخی جو رودکی کی ہمعصر تھی، اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھی اور وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ (بحوالہ شعر العجم حصہ اول)

اب ہم ہر سامانی حکمراں کی علم پروری کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کرتے ہیں۔

نصر بن احمد (۳۰۱-۳۳۱ھ/۹۱۳-۹۴۲ء)

نصر بن احمد بڑا فیاض اور قدردانِ علم وفن تھا۔ ابوالحسن رودکی جس کو فارسی شاعری کا "ابوالآبا" کہتے ہیں، نصر کے دربار میں "ملک الشعرا" کے رتبے پر فائز تھا۔ بادشاہ کی فرمائش پر اس نے "کلیلہ دمنہ" کی حکایات فارسی میں نظم کی تھیں، اور اس کے صلے میں اسے چالیس ہزار درہم بطور انعام ملے تھے۔ رودکی کو جو عزت و دولت حاصل ہوئی وہ دربار کے بڑے بڑے امرا کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ جب اس کی سواری نکلتی تو دو سَو زرّیں کمر غلام رکاب کے ساتھ ساتھ چلتے۔ سفر میں اس کا اسباب چار سَو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نصر اپنی فوج کے ساتھ ہرات میں مقیم تھا۔ اس کا قیام وہاں اتنا طول کھینچ گیا کہ فوج کے آدمی پریشان ہو گئے۔ فوجی بخارا میں اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کے لیے بے تاب تھے۔ آخر مجبور ہو کر فوجیوں نے رودکی سے درخواست کی کہ وہ ایسے اشعار سنائیں کہ نصر فوراً بخارا روانہ ہو جائے۔ رودکی نے امیر نصر کے دربار میں یہ اشعار رودک پر گا کر سنائے:

بوئے جوئے مولیاں آید ہمے   بادِ یارِ مہربان آید ہمے

ریگ آموں و درشتی ہائے او | زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے
آبِ جیحوں با ہمہ پہنا وری | خنگ مارا تا میاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش و شاد زی | شاہ سویت میہماں آید ہمے
شاہ سرو است و بخارا بوستاں | سرو سوئے آسماں آید ہمے
شاہ ماہ است و بخارا آسماں | ماہ سوئے آسماں آید ہمے

نصر نے یہ اشعار سُنے تو فوراً تخت سے نیچے اترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا بخارا روانہ ہو گیا۔ اس نے اس قدر عجلت کی کہ اپنا سواری کا جوتا بھی پہننا بھول گیا۔ (ہسٹری آف پرشیا)

سامانیوں کے دور میں سینکڑوں شعرا تھے لیکن آج تک سامانیوں کا نام جس شاعر کی بدولت زندہ ہے وہ یہی رودکی ہے۔ شریف گرگانی سچ کہتا ہے:

ازاں چندیں نعیم جاودانی | کہ ماند از آلِ ساسان و آلِ سامان
ثنائے رودکی ماندست و مدحش | نوائے باربد ماند است دوستان

رودکی نے ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا دیوان چھپ گیا ہے (شعر العجم)۔

فلسفہ یونانی کی بے شمار تصنیفات خلفائے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں، لیکن اکثر ترجمے نامفہوم اور مشتبہ تھے اور جن کتابوں کے متعدد ترجمے ہوئے تھے، وہ باہم مختلف تھے۔ نوح بن نصر نے حکیم ابو نصر فارابی کو بلا کر فرمائش کی کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور جامع ترجمہ تیار کر دے۔ چنانچہ فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اس کتاب کا نام "تعلیم الثانی" رکھا۔ (اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیے کہ حکمائے اسلام میں فارابی نے "معلم ثانی" کا جو لقب حاصل کیا وہ اسی کی بدولت تھا)۔ (شعر العجم حصہ اول)

ابو شکور بلخی، نوح بن نصر کا درباری شاعر تھا۔ بقول رضا زادہ شفق فارسی میں مثنوی سب سے پہلے اسی نے لکھی (سال تصنیف ۳۳۶ھ / ۹۴۷ء) اس نے اس مثنوی میں زبان سہل اور سادہ استعمال کی ہے۔

ابو المؤید بلخی نے اپنی مثنوی "یوسف زلیخا" اسی دربار میں لکھی۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ ص ۶۷۶)

نوح کے بعد عبد الملک اور عبد الملک کے بعد منصور بن نوح تخت نشین ہوئے۔

منصور بن نوح (۳۵۰-۳۶۶ھ/۹۶۱-۹۷۶ء) کے دربار میں وزیر ابو علی بن محمد البلعمی (م ۳۶۳ھ) تھا۔ اس نے منصور کی فرمائش پر "تاریخ طبری" کا عربی زبان سے فارسی میں ترجمہ وخلاصہ مرتب کیا۔ نیز طبری کی تفسیر کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا۔ بلعمی کا ترجمۂ طبری شائع ہو چکا ہے۔

علامہ شبلیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ غالباً سب سے پہلی کتاب جو تاریخ ایران پر لکھی گئی وہ ابو علی محمد بن احمد بلخی کی تصنیف تھی جس کا نام اس نے "شاہنامہ" رکھا تھا۔ اسی بنا پر "کشف الظنون" میں اس کو "شاہنامہ قدیم" لکھا ہے۔ (شعر العجم حصہ اوّل)

ابو منصور موفق ابن علی الہروی کو منصور بن نوح کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نے زبان فارسی میں ۹۶۸ء اور ۹۷۷ء کے مابین میٹریا میڈیکا پر ایک جامع کتاب "کتاب التبیان عن حقائق الادویہ" لکھی۔ اس میں طب کے یونانی، سریانی، عربی اور ہندی اجزا کی تطبیق و توافق کی کوشش کی گئی ہے۔

(قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات حصہ اوّل ص ۱۵۱)

قرآن پاک کا ایک ترجمہ فارسی زبان میں اس عہد کے علمائے کرام نے کیا تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ترکستان میں سامانی خانوادہ برسرِ اقتدار آیا تو بادشاہ منصور بن نوح نے ایک کمیٹی نامزد کی جس نے ۳۴۵ھ میں قرآن مجید کا فارسی اور ترکی میں ترجمہ کیا۔ فارسی ترجمے میں طبری کی مشہور تفسیر کا خلاصہ بھی فارسی میں شامل کیا گیا۔ فارسی کتاب اب ایران میں چھپ گئی ہے اور اس کے مقدمے میں کمیٹی کے ارکان وغیرہ کی خود مؤلفوں ہی نے تفصیل دی ہے۔ ترکی ترجمہ دو مختلف بولیوں، مشرقی اور مغربی ترکی میں ملتا ہے۔"

(بحوالہ فاران بابت مئی ۱۹۷۱ء)

نوح ثانی بن منصور (۳۶۶-۳۸۷ھ/۹۷۶-۹۹۷ء) کا زمانہ آخر المنازل ہے۔ یہ فخر اسی دَور کو حاصل ہے کہ عجم کا سرمایۂ فخر و ناز یعنی "شاہنامہ" جس کو ابن الاثیر "قرآن العجم" کہتا ہے، اس کا ابتدائی خاکہ اسی عہد میں قائم ہوا، اور اگر ایک اتفاقیہ واقعہ نہ پیش آجاتا تو سلطان محمود کے کارناموں کی فہرست "شاہنامہ" کے نام سے خالی رہ جاتی۔

نوح بن منصور جب تخت نشین ہوا تو بخارا میں بڑے بڑے شعرا موجود تھے۔ ان میں دقیقی خاص پایۂ تخت کا رہنے والا تھا۔ اسے نوح نے دربار میں بلا کر "شاہنامہ" کی تصنیف کی خدمت سپرد کی۔ دقیقی نے یہ خدمت قبول کر لی اور کم و بیش بیس ہزار شعر لکھے (بعضوں کا بیان ہے کہ صرف ایک ہزار شعر تھے جو اب "شاہنامہ" میں شامل ہیں)۔ دقیقی اپنے غلام کے ہاتھ سے قتل ہوا اور یہ کام نامکمل رہ گیا۔

دقیقی کی بدقسمتی ہے کہ اس فخر کا تاج شہرت کے ہاتھوں نے اس سے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا۔

فردوسی نے اس کے اشعار "شاہنامہ" میں شامل کر لیے ہیں۔ (ماخوذ از شعرالعجم)

نوح بن منصور نے صاحب ابن عباد (۳۸۵ھ) کو وزارت کے لیے بخارا طلب کیا لیکن اس نے عذر لکھ بھیجا کہ مجھ کو ضروری ساز و سامان ساتھ لانے میں بڑی زحمت ہو گی۔ صرف کتابوں کے لیے چار سو اونٹ درکار ہوں گے۔

نوح ثانی نے مختلف علوم و فنون کی کتب پر مشتمل ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جو اس زمانہ میں کئی حیثیتوں سے بے نظیر تھا۔ اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، نحو اور لغت کے علاوہ فلسفہ، نجوم، تاریخ، جغرافیہ اور دیگر علوم عقلیہ پر کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔

علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ "ایک بار امیر علیل ہوا تو اس سے بوعلی سینا (رئیس بوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا) کا تذکرہ کیا گیا۔ چنانچہ اُسے بلایا گیا اور اس نے امیر کا علاج کیا۔ امیر کو شفا ہوتی۔ یہاں قیام کے دَوران بوعلی سینا شاہی کتب خانہ میں داخل ہوا جو بے مثال تھا۔ ہر فن کی نادر کتابیں اس میں دستیاب تھیں۔ یہاں علم الاوائل وغیرہ پر کئی کتابیں تھیں اور اس نے اکثر کتب کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد ایک حادثہ میں یہ کتب خانہ

جل گیا جس کے باعث بوعلی سینا ان کتابوں کے علوم میں یکتائے روزگار رہ گیا۔ بوعلی سینا نے بخارا میں ایک عرصہ تک قیام کیا اور جب سامانی حکومت میں انتشار پھیلا تو وہ یہاں سے چلا گیا۔" (وفیات الاعیان ج ۱، ص ۴۱۹-۲۴)

"معجم الادبا" میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "بوعلی سینا نے سامانی کتب خانے کی فہرست دیکھ کر چند کتابیں منتخب کر کے طلب کیں جو فوراً اس کے سامنے پیش کی گئیں۔ یہ کتابیں اس کے بقول ایسی تھیں جن کے نام بھی لوگوں کو معلوم نہیں تھے۔ اور اس سے قبل یا اس کے بعد اس نے کتابوں کا ایسا ذخیرہ نہیں دیکھا۔"

بارتھولڈ کا بیان ہے کہ ابن سینا اس کتب خانہ کے متعلق لکھتا ہے:

"میں ایک مکان میں داخل ہوا جس میں متعدد کمرے تھے۔ ہر کمرے میں کتابوں کے صندوق تھے۔ ایک کمرے میں عربی کی نثر اور نظم کی کتابیں تھیں۔ دوسرے میں کتب قانون تھیں اور اسی طرح ہر کمرے میں مختلف شعبۂ علم کی کتابیں تھیں۔"

(TURKESTAN DOWN TO THE MONGOL INVASION, P. 9.)

نکلسن کا بیان ہے کہ بوعلی سینا کو اس کتب خانے میں مخصوص اجازت نامے کے بعد داخل ہونے کی اجازت ملی تھی۔ (لٹریری ہسٹری آف عربس ص ۲۶۵)

اسی زمانے میں ابوالفرج بھی ایک بلند مرتبہ شاعر اور صاحبِ علم و فن تھا اور آلِ سامان اسے اکثر اپنے عطیوں سے مالا مال کرتے رہتے تھے۔ ابوالفرج کو فن شاعری پر کمال دسترس تھی۔ فنِ شاعری اور عروض کے بارے میں اس کی ایک کتاب بھی موجود ہے۔ اس کے اشعار کی بلند معیاری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے مصنفین اپنی کتابوں میں اس کے اشعار بطور سند درج کرتے ہیں۔ (فرشتہ)

الجیہانی سامانی دربار کا مشہور وزیر تھا۔ اس نے راستوں سے متعلق ایک جامع کتاب لکھی تھی جو گم ہو گئی۔ ممکن ہے کہ الادریسی نے بارھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف حصہ میں خود اپنے جغرافیہ کی تیاری میں اس سے استفادہ کیا ہو۔ الجیہانی نے ہی ابودُلف کو ہندوستان بھجوایا تھا[۱]

۱؎ قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات ج اول ص ۱۱۱۔

جے - ایچ - کریمر لکھتا ہے کہ سب سے پہلا موتف جس نے اس قسم کے جغرافیائی رسالے لکھے ابو زید البلخی ہے جو خاندان سامانیہ کے دربار کا مشہور عالم تھا۔ البلخی پر وزیر الجیہانی (الجیہانی) بہت ہی مہربان تھا - اس وزیر نے خود بھی جغرافیہ پر ایک ضخیم رسالہ سپردِ قلم کیا تھا جس کا اب تک کوئی متن دریافت نہیں ہوا - خود البلخی کی کتاب بھی اس وقت موجود نہیں لیکن بعض اہم جغرافیائی کتابیں اس کے قائم کیے ہوئے نظام کے تکملے ہیں - (عظمتِ اسلام کے لگیسی آف اسلام)

غرض سامانی دور جہاں فتوحات ملکی کے لیے مشہور رہے وہاں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ترقی کے لحاظ سے بھی اس عہد کو عظمت کا زمانہ کہا جا سکتا ہے - منصور بن نوح کے بعد عبد الملک اور اس کے بعد اسمٰعیل بن عبد الملک تخت نشین ہوا، اور اسی پر اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا - اور اسی کے ساتھ ہی علم پروری و علما نوازی کی یہ داستان بھی ختم ہو گئی -

---

ارمغانِ حالی : از پروفیسر حمید احمد خاں

یہ کتاب شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی کی تمام نظم و نثر کے انتخاب اور اس انتخاب کی برمحل تشریح و توضیح پر مشتمل ہے - مقررہ حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی یہ مجموعہ مولانا حالی کی اس عظیم الشان فکری و تخیلی کاوش کا آئینہ ہے جس کی بنیاد پر مولانا نے نصف صدی سے کچھ زیادہ مدت تک تعمیرِ قوم کی کوششیں جاری رکھیں - حالی کے مشہور و معروف تنقیدی و سوانحی کام کے نمونوں کے علاوہ متفرق موضوعات پر مولانا کے جواہراتِ انشا مناسب تلاش و تفحص سے حصۂ نثر میں چن دیے گئے ہیں - چنانچہ مولانا کے دینی تعلیمی، اخلاقی اور معاشرتی مضامین کے سیر حاصل اقتباسات شامل کتاب ہیں - حالی کے ذہنی ارتقا کو واضح کرنے کے لیے منتخباتِ نثر کے تمہیدی اشارات میں ہر ایک اقتباس کے سال تصنیف کی صراحت کر دی گئی ہے -

کتاب کے آغاز میں ایک مفصل اور پُر از معلومات مقدمہ ہے جو متن کے تمہیدی اشارات اور تشریحی حواشی سے الگ اپنی خاص معنویت رکھتا ہے - اخباری کاغذ ۷/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور